© rasailojaraid.com

اجتہاد کی ضرورت تو ہے نہیں اور ایسے اجتہاد کو جائز رکھنے میں واقعی خطرات موجود ہیں ۔ اس لئے انہوں نے اجتہاد مطلق کا دروازہ بند ہونے کا فتوی اس دینی مصلحت کی بنا پر دیا تھا ۔ ورنہ تخریج مسائل ، ترجیح مسائل ، تصحیح مسائل اور عرف و حالات زمانہ کے بدل جانے سے حکم بدلنے کا سلسلہ تو ان سب حضرات نے ہر دور میں جاری رکھا ہے ۔ یہ تخریج ، یہ ترجیح ، یہ تصحیح اور یہ تبدیل و تغییر کا عمل بھی تو آخر یک گونہ اجتہادھی سے ہوتا ہے ۔ یہ بھی ایک جزئی اجتہاد ہے ۔ اور کتب فقہ میں اسی بناء پر امام کرخیؒ ابو بکر جصاص رازیؒ اور امام قاضی خانؒ ، صاحب ھدایہ اور ان کے طبقات کے دوسرے فقہاء کرام کو مجتہد کہا گیا ہے ۔ اور ان کے بعد بھی ہر صدی کے ممتاز اور نامور فقہاء پر مجتہد کا اطلاق کیا گیا ہے مثلاً علامہ ابن الہمامؒ نویں صدی کے حنفی المسلک فقیہ ہیں ۔ ان کے بارے میں علامہ شامیؒ نے لکھا ہے ۔

وقد منا غیر مرة ان الکمال من اهل الترجیح کما افاده فی قضاء البحر بل صرّح بعض معاصر یه بانه من اهل الاجتهاد ولا سیما و قد اقرّه علی ذلک فی البحر والنهر والمنح ورمز المقدسی والشارح وهم اعیان المتأخرین فانهم (رد المحتار شامی ج ۳ ص ۳۶ کتاب العتق) اور ایک دوسری جگہ لکھا ہے و ابن الهمام قد بلغ رتبة الاجتهاد ۔ کتب فقہ میں یہ لکھا ہوا ہے کہ اگر پہلے دور میں حضرت امام ابو حنیفہؒ کے قول پر فتوی تھا اور صدیوں تک اس پر عمل ہوتا رہا اور بعد میں کچھ حالات بدل گئے اور معاشرہ کے حالات کا تقاضا یہ ہوا کہ حضرات صاحبینؒ کا قول اس مسئلے میں ارفق بالناس یا بعد کے عرف کے ساتھ مطابق ہے تو متأخرین فقہاء نے اس قول کو ترجیح دی اور اس پر فتوی دیا ۔ تو خاص حالات یا عرف کی وجہ سے ایک قول پر دوسرے قول کو ترجیح دے کر فتوی دینا بھی یک گونہ اجتہاد ہی ہے ۔ یا بعض دفعہ فقہ حنفی کے متفق علیہ قول کو چھوڑ کر حضرت امام شافعیؒ کے مسلک کو کسی خاص موقع اور خاص حالات میں پسند کیا گیا ہے یا اس پر عمل کرنے کا فتوی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دیا گیا ہے۔ علامہ شامیؒ نے اجرت امامت و خطابت اور اجرت اذان و تعلیم قرآن مجید کو مثال میں پیش کیا ہے۔ ممتدۃ الطہر بالغہ غیر آئسہ کے لئے امام مالکؒ کے ہاں عدت نو مہینے ہے اور حنفیہؒ کے ہاں بہر حال تین حیض ضروری ہیں۔ لیکن حنفیہؒ کے ہاں بھی عندالضرورت امام مالکؒ کے اس قول پر عمل جائز ہے۔ مثالیں بے شمار ہیں اور یہ سب یک گونہ اجتہاد کی صورتیں ہیں اور متأخرین فقہاء نے ہمیشہ ایسا اجتہاد کیا ہے اور اس قسم کا اجتہاد چوتھی صدی کے بعد سے لے کر آج تک ہر دور میں مسلّمہ فقہاء حنفیہ اور دوسرے مسلک والوں کے ہاں جاری رہا ہے۔ فتاوی عالمگیری ۔ ردّ المحتار ، بدائع الصنائع، البحر الرائق ، معین الحکام ، جامع الفصولین ، تنقیح الفتاوی الحامدیہ وغیرہ تمام کتب فقہ سے اس کی سینکڑوں مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں ۔ اور آج ہم صرف اسی اجتہاد کے جواز کی بات کرنا چاہتے ہیں کیونکہ آج ہم کو واقعۃً بہت سے مسائل اور بہت سے معاملات میں اس کی واقعی ضرورت پیش آتی ہے۔ لیکن اس قسم کے اجتہاد کو انتہائی ضروری سمجھنے کے ساتھ ساتھ میں اس سلسلہ میں دو باتوں پر شدید اصرار کرتا ہوں۔

پہلی بات یہ ہے کہ یہ اجتہاد بھی ہر کس و ناکس کا کام نہیں اس کے لئے بھی قرآن و حدیث کا ، اور عربی زبان اور عربی اسلوب بیان کا ، اور ائمہ مجتہدین کے اجتہادی مسائل اور اجتہاد کے اصول و ضوابط کا گہرا اور راسخ علم ہونا ضروری ہے اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ ایسے علم کے ساتھ تقوی ، پرہیزگاری ، اور جواب دہی کا احساس بھی ہو ۔ ایسا ہی عالم و عامل یہ اجتہاد صحیح معنوں میں اور منشاء شریعت کے مطابق کر سکے گا ۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہ اجتہاد بھی انفرادی نہ ہو بلکہ اجتماعی اور شورائی ہو ۔

بدقسمتی سے آج کل حالت یہ ہو گئی ہے کہ ہر کوئی اٹھ کر کہتا ہے کہ زمانہ کے تقاضوں کے مطابق اجتہاد کرنا چاہئیے اور مطلب یہ ہوتا ہے کہ ہم کو دینی احکام کو یکسر بدلنے کی عام اجازت ملنی چاہئے ۔ اور جب اسے کہا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جاتا ہے کہ یہ تو درست ہے کہ نئے پیش آمدہ مسائل یا بعض معاملات میں عرف بدل جانے کی وجہ سے اجتہاد کی ضرورت تو ہے مگر یہ اجتہاد تو وہ کرے گا جو اس کا اہل ہو۔ تو یہ سنتے ہی بھڑک کر وہ کہتا ہے کہ قرآن و سنت پر اور شرعی احکام پر کسی ملاّ کی اجارہ داری تو نہیں ہے کہ بس وہی اس کی تعبیر و تشریح کا مجاز ہو۔ بلکہ جس طرح وہ حق رکھتا ہے کہ احکام شرعیہ کی تعبیر و تشریح کرے اجتہاد و استنباط کرے اسی طرح ہم بھی مسلمان ہیں ہم بھی یہ حق رکھتے ہیں اور کوئی وجہ نہیں کہ دین کے معاملے میں صرف ملاّ کی بات مانی جائے اور ہماری بات کا ، ہماری رائے کا اور ہمارے اجتہاد و استنباط کا کوئی وزن نہ ہو۔ اس قسم کے ارشادات ایسے لوگوں کی زبانوں سے بار بار سنے جاتے ہیں جو نہ قرآن مجید و احادیث کی زبان یعنی عربی سے کچھ واقف ہیں ، نہ اسلامی روایات پر ان کی محققانہ نگاہ ہے ؟ نہ اصول تفسیر جانتے ہیں اور نہ اصول حدیث ، اور نہ ان کو یہ معلوم ہے کہ قرآن و حدیث سے استنباط احکام کے کیا اصول و ضوابط ہیں ۔ اور اسلاف امّت اور ائمہ مجتہدین نے کن قواعد و ضوابط کو ملحوظ رکھ کر اجتہاد کیا تھا ۔ نہ متقدمین کے فقہی ذخیرہ کا انہوں نے کوئی تحقیقی مطالعہ کیا ہے ۔ نیز ایسے لوگ اکثر وہ ہوتے ہیں جو عملی طور سے بھی اسلامی احکام سے بیگانہ ہوتے ہیں ۔ فرائض کے تارک اور محرمات و منکرات کے مرتکب ، اور بے باکی و بےپرواہی میں شہرہ آفاق ہوتے ہیں ۔ اس میں شک نہیں اور یہ بالکل تسلیم ہے کہ اسلام میں قرآن و حدیث کی تعبیر و تشریح اور ان سے استنباط مسائل اور اجتہاد ملاّ کی اجارہ داری نہیں ۔ مگر اس کا تو مطلب یہ ہے کہ اسلام میں بنی اسرائیل کی طرح دین کا علم اوردینی خدمات کسی خاص نسل اور خاص قبیلے کی میراث نہیں ۔ اور نہ عیسائیوں کی طرح دین و دنیا کی تفریق ہے کہ دنیا قیصروں کے حوالے اور دین پادریوں کے حوالے کر دیا گیا ہو۔ اور نہ منوسمرتی کی تقسیم کے مطابق علمی اور مذہبی پیشوائی صرف برھمنوں کا حق ہو کسی اور ذات کو اس میں دخل دینے کا حق نہ ہو۔ ملاّ ہرگز کسی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خاص نسل یا خاص خاندان کا نام نہیں ہے۔ جس کو دین کی تعبیر کا آبائی حق میراث میں ملا ہو اور اس نسلی اور خاندانی استحقاق کی بناء پر ملاً کسی اور کو یہ حق دینے پر تیار نہیں۔ بلکہ امر واقعہ یہ ہے کہ جس طرح ہر شخص قانون پڑھ کر اور اس کا تحقیقی علم حاصل کرکے وکیل اور جج بن سکتا ہے۔ اور ہر شخص انجنیئرنگ کی تعلیم حاصل کرکے انجینیر اور طب پڑھ کر ڈاکٹر بن سکتا ہے اسی طرح ہر شخص جس خاندان، جس نسل، جس علاقے اور جس رنگ اور جس زبان کا ہو قرآن و سنت کا تحقیقی علم حاصل کرنے کے لئے وقت اور محنت صرف کرکے مسائل شریعت میں کلام کرنے کا مجاز ہو سکتا ہے۔ ملاً کی اجارہ داری نہ ہونے کا یہ مطلب تو ہرگز نہیں کہ جو بھی اٹھے خواہ وہ علم دین کے بارے میں کچھ بھی نہ جانتا ہو اسلامی شریعت پر علم کے بغیر گفتگو کرے، اجتہاد کا دعوی کرکے اجتہاد کے نام سے تحریف کرے، اور دین کو بگاڑے اور دین اسلام کو ایک بازیچۂ اطفال بنائے۔ سوچنے سمجھنے کی بات ہے جذبات میں آکر بگڑنے کی نہیں۔ مثلاً تربیلہ ڈیم بنانے کا ایک منصوبہ تھا۔ جس کی تعمیر و تکمیل کے لئے ملکی اور غیر ملکی ماہر انجنیئروں کو بلایا گیا ان کی خدمات حاصل کی گئیں۔ ان کی پوری نگرانی اور قدم قدم پر ان سے مشورے لے کر تعمیرات کے ماہر مستریوں سے کام لیا گیا۔ حالانکہ اس ملک میں بڑے بڑے ڈاکٹر، سرجن بھی موجود تھے۔ بڑے بڑے ماہرین تعلیم پی ایچ ڈی بھی تھے۔ بڑے بڑے ذہین اور ذکی سی ایس پی افسر بھی موجود تھے۔ اقتصادیات کے بڑے بڑے ماہر بھی تھے اونچے درجہ کے قابل احترام قدیم و جدید علوم کے علماء و فضلاء بھی پائے جاتے تھے۔ اور قابل صد تکریم مشائخ کرام بھی ملک میں موجود تھے۔ مگر ان میں سے کسی کو اس منصوبہ کے سلسلہ میں مشورہ تک کے لئے نہیں بلایا گیا۔ تو کیا ان نامور مشاہیر میں سے کسی نے اس وقت بھی یہ اعتراض اٹھایا کہ "کیا تربیلہ ڈیم کی تعمیر کے کام کے لئے ان انجینئروں کی اجارہ داری ہے، کیا ہم یہ خدمت سرانجام نہیں دے سکتے" اور اس اعتراض نہ کرنے کی وجہ یہی تھی کہ وہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سب یہ سمجھ رہے تھے کہ اس کام کی نوعیت ہی ایسی تھی کہ ماہر انجینئر ہی یہ کر سکتے تھے ان کو اس کا علم تھا یہ انہی کا خصوصی فن تھا۔ ہم یہ علم نہ جاننے کی وجہ سے یہ نہیں کر سکتے تھے۔ افسوس ہے کہ وہاں تو اصل بات سمجھ میں آتی ہے مگر دین اسلام بیچارہ اسا مظلوم ہے کہ اس کے احکام، اور قرآن و حدیث کی تعبیر و تشریح کے بارے میں یہ بنیادی بات سمجھ میں نہیں آتی اور ہر ایک اٹھ کر کہتا ہے کہ اجتہاد میرا بھی ہے دین ملاّ کی اجارہ داری نہیں۔ ماحول میں اس قسم کے نعروں کو سن کر میں اصرار کرتا ہوں کہ جس قسم کا اجتہاد حقیقۃً وقت کی ضرورت ہے ضرور ہو مگر اہل حضرات کے ذریعہ ہرکس و ناکس کو یہ اختیار ہرگز نہ دیا جائے۔

دوسری بات جو میں نے عرض کی ہے۔ وہ اس لئے کہ انفرادی اجتہاد آج کے دور میں بہت نقصان دہ ہو سکتا ہے کیونکہ جو خطرات کل تک یعنی گذشتہ ادوار میں واھمہ کی حیثیت رکھتے تھے جن کے پیش آنے کا خوف چوتھی پانچویں صدی کے بعد دامن گیر تھا اور جن کی وجہ سے فقہا نے مذاہب نے اجتہاد کا دروازہ بند ہونے کا فتوی دیا تھا وہ آج کے اس پُر فتنہ دور میں ایک امر واقعہ بن گئے ہیں۔ آج ہر طرف دین کے سوداگروں کی ریل پیل ہے۔ اور ہر کوئی مجتہد، اجتہاد کا سب سے بڑا مدّعی، اور دانائے راز دین بنا پھرتا ہے۔ اور حقیقۃً فقیہ النفس، نیکو کار اور خدا ترس علماء و فقہاء کی بہ نسبت یہ متجدد دین اور مجتہدین زیادہ سحر بیاں اور چرب لسان بھی ہیں۔ خطرہ ہے کہ فقہی قوانین ایسے ہی محترفین کا تختہ مشق بن جائیں گے اور ایک عظیم فساد رونما ہوگا۔ اور یہ لوگ اپنے خود ساختہ اجتہاد کا ایسا تیز تیشہ چلائیں گے کہ اصل اسلامی قوانین کا بالکل حلیہ بگاڑ کر رکھ دیں گے۔

مندرجہ بالا تفصیل و توضیح سے یہ بات بہ خوبی واضح ہو گئی کہ اگر ہم شریعت اسلامیہ کی روح، اور فقہ اسلامی کے مطابق صحیح اسلامی زندگی کا نقشہ اس دور میں ناگزیر اجتہاد کے ذریعہ لانا چاہتے ہیں۔ اور اس قسم کے صحیح اور عند الشرع پسندیدہ اجتہاد کا امت میں باقی رہنا ضروری

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سمجھتے ہیں ۔ اور اگر اسے وقت کے بے شمار مشکلات سے بہ خوبی عہدہ برآ ہونے کے لئے شرعی حل پیش کرنے کا واحد راستہ یقین کرتے ہیں ۔ اور ہمیں جدید پیش آمدہ واقعات کا ایک ایسا حل شرعی طریقہ پر معلوم کرنا ہے جس میں تحقیق و تدقیق کی گہرائی بھی ہو اور دلیل و برہان کی پختگی بھی ، جو ہر قسم کے شکوک و شبہات اور طعن و تشنیع سے محفوظ بھی ہو ، اور جس کو رائے عامہ پوری عقیدت وارادت کے ساتھ قبول بھی کر سکے اور جس کی تنفیذ و اجراء میں کوئی دشواری بھی پیش نہ آئے تو وہ یہ ہے کہ یہ اجتہاد ایک نئے اسلوب سے ہو ، یعنی انفرادی اجتہاد کی جگہ اجتماعی اور شورائی اجتہاد کا طریقہ اختیار کیا جائے اور اس طرح ہم اجتہادکواس کے پہلے مقام پر پھر لائیں گے جہاں وہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ کے مبارک دور میں تھا ۔ اور بعد میں حضرت امام ابو حنیفہؒ نے اس کو اختیار فرمایا تھا ۔ اور اس اجتہاد میں اس کا بھی التزام ہو کہ اس تخریج و ترجیح میں ائمہ اربعہ رحمہم اللہ تعالی کے اجتہاد کے دائرہ سے باہر نہ نکلا جائے اور میں سمجھتا ہوں کہ ان چاروں ائمہ مجتہدین کے اجتہادی مسائل میں ہر دور کے مشکلات کے لئے حل مل سکتا ہے ۔ اور اس کی کوئی ضرورت پیش نہیں آتی کہ ان چاروں کے دائرہ سے باہر نکل کر کوئی پانچواں اجتہاد کیا جائے ۔ اگر غور کرکے دیکھا جائے تو یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ اللہ تعالی نے تکوینی طور پر ایسے حالات اور ایسے اسباب مہیا فرمائے کہ صدر اول کے مجتہدین میں سے صرف ان چاروں کے اجتہادی مسائل اور استنباطات کومدوّن و مرتب شکل میں باقی رہنے دیا اور ہر دور میں ایسے ایسے علماء و فقہاء پیدا کئے جنہوں نے ضخیم ضخیم تصانیف کے ذریعہ ان ائمہ کرام کے مسلک اور مختار مسائل کو محفوظ کر دیا ۔ ان تصانیف کے ذریعہ آج معلوم کیا جا سکتا ہے کہ پیش آمدہ مسئلہ میں کس امام کا بیان کردہ حکم کیا ہے اور کس دلیل سے اس نے یہ شرعی حکم بیان کر دیا ہے ۔

افادۂ علمی کے طور پر مناسب معلوم ہوتا ہے ۔ کہ حضرت امام شافعیؒ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کا ایک ارشاد ان کی مشہور تصنیف کتاب الاّم سے شوریٰ کی اہمیت کے بارے میں ذکر کروں۔ باب المشاورۃ کے تحت تحریر فرماتے ھیں قال الشافعیؒ قال اللہ تبارک و تعالیٰ وشاورھم فی الامرہ اخبرنا الربیع قال اخبرنا الشافعیؒ قال اخبرنا ابن عیینہ عن الزھری قال قال ابو ھریرۃؓ ما رأیت احداً اکثر مشاورۃ لاصحابہ من رسول اللہ ﷺ و قال اللہ عزوجل و امرھم شوری بینھم (قال الشافعیؒ) قال الحسن ان کان النبی ﷺ لغنیاً عن مشاورتھم ولکنہ اراد ان یستن بذلک الحکام بعدہ اذا نزل بالحاکم الامــــــر یحتمل وجوھا او مشکل انبغی لہ ان یشاور ولا ینبغی لہ ان یشاور جاھلا لانہ لا معنی لمشاورتہ ولا عالماغیرامین فربما اضلّ من یشاورہ ولکنہ یشاور من جمع العلم والامانۃ و فی المشاورۃ رضا الخصم والحجۃ علیہ (ج ۷ ص ۸۶)

پس پاکستان میں اس وقت قوانین اسلامی کی جدید تدوین و ترتیب کے لئے ضروری ہے کہ فقہ اسلامی کا ایک مستقل ادارہ ہو۔ جس میں محض رسمی علماء و قانون دان سیاسی بنیادوں پر یا سفارشوں اور دوست پروری کی بناء پر نہ لئے جائیں بلکہ حقیقی معنوں میں علوم اسلامیہ کے ماہر تجربہ کار راسخ العلم ایسے جید علماء کرام اس میں شریک ہوں جو شرعی علوم میں کمال تبحّر، تجربہ اور مہارت کے ساتھ دور حاضر کے معلومات بھی رکھتے ہوں۔ وقت کے تقاضوں کو جانتے بھی ہوں اور مانتے بھی ہوں۔ ان میں جمود نہ ہو وہ محض کسی جزیرے میں احوال عالم سے بے خبر نہ رہتے ہوں۔ بلکہ گرد و پیش کے احوال و واقعات اور مختلف قسم کے انقلابات پر ان کی نظر ہو۔ اور اس عمیق و وسیع علم کے ساتھ سیرت و کردار اور صلاح و تقویٰ کی تمام خوبیاں بھی ان میں جمع ہوں۔ اور ملک کے تمام مسلمان عوام ان کو واقعةً دینی پیشوا اور قابل اعتمــاد مفتی کی حیثیت سے پہلے سے جانتے اور مانتے ہوں۔ اور جن کے شرعی فیصلوں کو لوگ اعتماد و اعتقاد کی بناء پر دل و جان سے تسلیم کرتے ہوں۔ نیز ایسے علماء کرام کے ساتھ اس ادارہ میں جدید علوم و فنون مثلاً جدید اقتصادیات، عمرانیات، اجتماعیات، سیاسیات جدید تعلیمات اور قانون و طب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وغیرہ جملہ فنون عصریہ کے ایسے ماہرین شامل کئے جائیں ۔ جو صرف ماہر کہلانے والے اور محض ڈگری یافتہ نہ ہوں بلکہ اپنے اپنے فن میں کمال رسوخ اور حقیقی مہارت کے ساتھ وہ راسخ العقیدہ صحیح العمل مسلمان بھی ہوں اور جو نظریہ کے طور پر اسلامی قوانین کو منبع خیر و برکات اور موجب فلاح و صلاح یقین کرتے ہوں ۔ تاکہ فقہـاء کرام دینی مسائل کے سلسلہ میں فنی معاملات میں ان کی ماہرانہ اور صحیح رائے پر اعتماد کرکے شرعی احکام طے کیا کریں اور ان حضرات سے اس تدوین جدید کے کام میں فائدہ اٹھا سکیں ۔ اس فقہی ادارے کے تمام ارکان باقی ہر قسم کے مشاغل و معمولات چھوڑ کر صرف اس ایک اہم علمی کام کے لئے فارغ ہوں ۔ ان کے لئے ایک وسیع کتب خانہ فراہم کیا جائے جس میں مذاہب اربعہ کی تمام کتابیں خاص کر ہر مسلک کے ممتاز فقہاء و محققین کی اہم کتابیں موجود ہوں ۔ اور ان ارکان ادارہ کے لئے اقتصادی فراغت کا بھی پورا اہتمام ہو ۔ تاکہ وہ حضرات پورے اطمینان خاطر کے ساتھ اور ,,چہ خورد بامداد فرزندم،، سے بے فکر ہو کر پوری یک سوئی کے ساتھ اور پوری قلبی توجہ کے ساتھ اپنا مفوضہ کام سر انجام دے سکیں ۔ اس ادارے کے اس اہم کام میں اجتہاد ، اور مجتہد کے مندرجہ بالا شرائط کا لحاظ رکھا جائے ۔ یہ حضرات اس تحقیقی کام میں ان قواعد کلیہ کو بھی پیش نظر رکھ کر مسائل دینیہ کی تحقیق کریں گے جو فقہاء کرام نے کتاب و سنت ہی سے مستنبط کرکے مرتب کئے ہیں ۔ اور جن کو پیش نظر رکھ کر ہر دور کے فقہائے کرام نے ہمیشہ پیش آمدہ مسائل حل کئے ہیں۔وہ قواعد علامہ ابن نجیم صاحب البحر الرائق نے الاشباہ و النظائر میں ، علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے الاشباہ و النظائر للشافعیہ میں ترکی کی مجلس علماء کرام نے مجلۃ الاحکام العدلیہ میں ، اور علامہ ابن رجب حنبلیؒ نے القواعد الکبری میں لکھے ہیں ۔ اور پھر علامہ حمویؒ نے الاشباہ کی شرح میں ، اور محامی علی حیدر ترکی نے درر الحکام شرح مجلۃ الاحکام میں ان کی پوری تشریح و تفصیل بیان کی ہے ۔ میں ان میں سے بہ طور مثال یہاں چند قواعد کا ذکر کرتا ہوں ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(١) المشقة تجلب التيسير (٢) الحرج مدفوع (٣) الضرر يزال لاضرر ولا ضرار فی الاسلام (۴) الضرورات تبیح المحظورات (٥) ما أبیح للضرورة یتقدر بقدرها (٦) ما جاء بعذر بطل بزواله (٧) الضرر لا یزال بالضرر (٨) یتحمل الضرر الخاص لاجل دفع الضرر العام (٩) اعظم ضرراً یزال بالاخف (١٠) اذاتعارض مفسدتان روعی اعظمها ضرراً بار تکاب اخفهما (١١) من ابتلی ببلیّتین وهما متساویتان یأخذ بایتهما شاء و ان اختلفا یختار اهونهما (١٢) درأ المفاسد اولی من جلب المصالح (١٣) اذا تعارض المانع والمقتضی یقدم المانع (١۴) اذا اجتمع الحلال و الحرام غلب الحرام (١٥) اذا ضاق الامر ا تسع و اذا ا تسع ضاق (١٦) تصرف الامام علی الرعیة منوط بالمصلحة (١٨) الولایة الخاصة اقوی من الولایة العامة (١٩) الامور بمقاصدها (٢٠) العبرة للمعانی لا للمبانی یہ چند قواعد بطور نمونہ پیش کئے ہیں مزید تفصیلات ان کتابوں میں دیکھی جا سکتی ہیں۔

الحاصل۔ اگر ان قواعد کلّیہ کو ملحوظ رکھ کر، علوم دینیّہ یعنی کتاب و سنت اور اصول استنباط کے ماہر علماء وفقہاء اس محدود دائرہ اجتہاد میں اجتماعی اجتہاد کرکے کسی امام مجتہد کے قول کو کسی مسئلے میں راجح قرار دے دیں۔ اور اسلامی حکومت اس قانون کو اپنے حلقۂ اقتدار و اختیار میں ایک قانون کی شکل میں نافذ کر دے تو فقہ حنفی کے مطابق بھی یہ بالکل جائز اور درست ہے اور ایسے قانون کو بالکل شرعی قانون سمجھا جائے گا۔ ہمارے اس دور کے بہت بڑے فقیہ و محدث علامة الدهر حضرت مولانا سیّد انورشاہ کشمیری رحمة الله علیه نے فیض الباری املاء صحیح بخاری میں اس کی بار بار تصریح فرمائی ہے۔ ایک جگہ یوں ارشاد ہے۔ واعلم ان الائمة اذا اختلفوا فی مسئلة فلا سبیل لرفعه الاقضاء القاضی فهذا باب فی الشریعة لرفع الخلاف من البین و کان لابدّ منه فاذا قضی به قاض من ایّ مذهب کان لزم علی الآخرین وارتفع الخلاف فی ذلک الجزئی وصار مجمعاً علیه۔

اسلامی قانون کی تدوین جدید کی ضرورت بھی واضح کی گئی۔ اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس سے مراد کیا ہے یہ بات بھی واضح طور پر عرض کر دی ۔ اور اس اہم کام کے لئے شرعاً کیا اصول ہیں ۔ اور اس کے لئے کیا طریقے اختیار کئے جائیں وہ بھی ذکر کر دئے ۔ اب آخر میں اللہ تعالی سے دعا کرتا ہوں کہ وہ اپنے فضل و کرم سے ہم سب کو اس کی مرضیات کے مطابق ، صحیح طریق کار اختیار کرکے دین متین کی خدمت کی توفیق عطا فرمائے آمین ۔ ۔

★ ★ ★ ★ ★ ★ ★ ★

© rasailojaraid.com

Fikr-o-Nasar (Islamabad) 19:5 (1981) © rasailojaraid.com

آڑھت کی شرعی حیثیت

رفیع اللہ شہاب

شریعت اسلامی نے سودی کاروبار کو انسانیت کے لئے لعنت قرار دیا ہے اور معاشرے کو اس لعنت سے چھٹکارا دلانے کے لئے اسے اللہ اور رسول کے خلاف جنگ کے مشابہ قرار دیکر اسے ختم کرنے کے مختلف طریقے اختیار کئے ۔ خود رسول اللہ صلعم نے اپنے زمانے میں مروج ہر قسم کے کاروباری معاملات کا جائزہ لیا ۔ اور جس کاروبار میں سود کا معمولی سا شائبہ بھی پایا مومنوں کو اس میں حصہ لینے سے منع کر دیا ۔ یہی وجہ ہے کہ سلف صالحین کو جس کاروبار میں سود کا معمولی سا شبہہ بھی ہو جاتا وہ اس کاروبار سے دور رہتے تھے لیکن ہم نے اپنے نفس کو خوب دھوکا دے رکھا ہے ۔ ہم سود کو صرف بینک تک محدود سمجھتے ہیں اور باقی تمام کاروباری معاملات میں چاھے انہیں رسول اللہ صلعم نے واضح سودی معاملہ قرار دیا ہو ، اپنے آپ کو آزاد سمجھتے ہیں ۔ انہی میں سے زمین کی بٹائی اور آڑھت وغیرہ کے معاملات ہیں ۔ بٹائی کے بارے میں تو حضور صلعم کے ارشادات کئی دفعہ قارئین کی خدمت میں پیش کئے جا چکے ہیں ۔ آج کی صحبت میں آڑھت کے متعلق کچھ تفصیلات قارئین کی خدمت میں پیش کی جاتی ہیں ۔

اتنی بات تو عام قارئین جانتے ہیں کہ آڑھت کا کاروبار خالص سود خوارانہ ذھنیت کی پیداوار ہے ۔ اسلام میں تجارت اور سود میں جو فرق کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ تجارت میں انسان اپنی محنت سے کام لیتا ہے اور اس تجارتی کاروبار میں ہر وقت نفع و نقصان کا خطرہ موجود رہتا ہے ۔ جبکہ سود بغیر محنت کے صرف سرمائے کے معاوضے کا نام ہے ۔ چاہے یہ زمین کی بٹائی کی شکل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں ہو ، یا مکان کے کرائے کی صورت میں ـ بنک کے منافعہ کی صورت میں یا آڑھت کی شکل میں ـ اس کی سب سے بڑی پہچان یہ ہے کہ ربوا کی ان تمام صورتوں میں نقصان کا کوئی اندیشہ نہیں ہوتا اور آڑھت کا کاروبار تو ایسا ہے کہ اس میں نفع ہی نفع ہی نہیں بلکہ یہ نفع (رُبوا) بینک کے سود سے کئی گنا زیادہ ہے ـ عام طور پر بینکوں میں سال کے بعد پانچ فیصد سود ملتا ہے جبکہ آڑھت کے کاروبار میں صرف ایک گھنٹے یا اس سے کم وقت میں اتنی شرح سے ربوا وصول کر لیتا جاتا ہے ـ

اسلامی کاروبار کے طریقوں کی بابت رسول اللہ صلعم نے واضح ہدایت جاری کیں ـ اور ان میں اس اصول کو مدنظر رکھا گیا کہ ان میں سود کا کوئی شائبہ تو نہیں چنانچہ جن معاملات میں سود یا اس کا شبہ نظر آیا تو رسول اللہ صلعم نے بڑے واضح الفاظ میں ان سے منع فرما دیا ـ اس بارے میں آپ نے جو اصولی تعلیم دی وہ یہ تھی کہ کوئی سودا خریدتے یا بیچتے وقت دونوں فریقین کی موجودگی لازمی ہے اور وہ متعلقہ مال کو اچھی طرح دیکھ بھال کر سودا کریں ـ یہ سودا دست بدست ہونا چاھئے اور خریدار اچھی طرح مال دیکھ کر خرید کرے ـ یہ معاملہ صرف انہی دو فریقیوں کے درمیان ہوگا ـ یعنی ایک بیچنے والا اور دوسرے خریدنے والا ـ اس میں کسی تیسری پارٹی کی ضرورت نہیں جو آج کل آڑھت کی شکل میں ہمارے کاروبار پر مسلط ہے ـ اور سود کی طرح مہنگائی کا ایک بڑا سبب ہے ـ حضرت عمرؓ سے روایت ہے :

کاروبار دست بدست ہو

و عن عمر بن الخطابؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیه و آله و سلم ، الذهب بالورق رباً الاھا و ھا ـ والبرّ بالبرّ رباً الا ھاوھا والشعیر بالشعیر رباً الاھا وھا والتمر بالتمر رباً الاھا وھا متفق علیه.

(نیل الاوطار جلد پنجم صفحہ ۲۰۳)

(ترجمہ) حضرت عمر بن خطابؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صلعم نے فرمایا کہ چاندی کا سونے سے کاروبار دست بدست ہو تو ٹھیک و گرنہ وہ سود ہوگا ۔ اسی طرح گندم کی ایک قسم کا دوسری قسم سے کاروبار دست بدست تو جائز ہوگا و گرنہ سود اسی طرح جو اور کھجور کا معاملہ ہے ۔

عام طور پر جیسا کہ آج کل رواج ہے ۔ اجناس کو دیکھے بغیر ان کے سودے کئے جاتے ھیں ۔ تو اگر چہ ایک عام آدمی کو اس میں سود نظر نہیں آتا ۔ لیکن اس کاروبار میں کئی ایسی صورتیں بنتی ھیں ، کہ جن میں ایک نہ ایک فریق دھوکے میں رہ جاتا ہے ۔ اور دوسرا محض اپنی چالاکی سے زیادہ نفع بٹور لیتا ہے ۔ آڑھت جیسا کہ حضور صلعم کے آئندہ سطور میں پیش کئے جانے والے ارشادات سے معلوم ھوگا ان چالاکیوں کو پختہ کرنے میں بڑا پارٹ ادا کرتی ہے ۔ چنانچہ حضور صلعم نے بڑے واضح الفاظ میں اس کی حرمت کا اعلان فرما دیا ہے ۔

آڑھت کی حرمت

و عن ابن عباس قال قال رسول الله صلی الله علیه و سلم لا تلقوا الرکبان ۔ ولا یبیع حاضر لباد فقیل لابن عباس ، قوله لا یبیع حاضر لباد قال لا یکون له سمساراً رواة الجماعة الا الترمذی ۔ (ایضاً صفحہ ۱۷۳)

(ترجمہ) حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ دیہات سے آنے والے سواروں سے راستے میں جا کر سودا نہ خریدو ۔ اور نہ ھی شہر والا دیہات والے کا مال بیچے ۔ حضرت ابن عباس سے پوچھا گیا کہ اس کا مطلب کیا ہے کہ شہر والا دیہات والے کا مال نہ بیچے تو آپ نے فرمایا کہ اس کا آڑھتی نہ بن جائے ۔

چونکہ دیہات والوں کو عام طور پر شہر کے تازہ نرخ کا علم نہیں ھوتا ۔ اس لئے چالاک بیوپاری دیہات میں یا راستے میں ان کا مال خرید کر پھر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گراں نرخ پر فروخت کرتے ھیں ۔ آج کل بھی یہ کاروبار پورے زوروں پر جاری ہے ۔

تاھم حضور صلعم نے آڑھت کی حرمت کے بارے میں اتنی سخت تاکید کی کہ اس کی ذرہ بھر گنجائش باقی نہ چھوڑی ۔ چنانچہ اس سلسلے میں آپ نے یہاں تک فرما دیا کہ دیہات والا اگر اس آڑھتی کا باپ یا سگا بھائی ھی کیوں نہ ھو تو بھی اس کے لئے اس کا مال بیچنا جائز نہیں ھوگا ۔

وعن انس قال نہینا ان یبیع حاضر لباد ۔ وان کان آخاہ لابیہ و امہ متفق علیہ ۔ ولابی داؤد والنسائی ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نہی ان بیع حاضر لباد وان کان اباہ او اخاہ (ایضاً صفحہ ۲۴۷)

(ترجمہ) حضرت انس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلعم نے ھمیں منع فرما دیا کہ کوئی شہر والا دیہات والے کا مال نہ بیچے چاہے وہ اس کا سگا بھائی ھی کیوں نہ ھو ۔ امام بخاری اور امام مسلم اس حدیث پر متفق ھیں اور ابو داؤد اور نسائی کے الفاظ یہ ھیں کہ رسول اللہ صلعم نے شہری کو دیہاتی کا مال بیچنے سے منع فرما دیا ۔ چاہے وہ اس کا باپ یا بھائی ھی کیوں نہ ھو ۔

یہ تو صاف آڑھت کا حکم ہے پھر اس آڑھت میں کئی گڑ بڑ قسم کی چیزیں بھی شامل ھیں ۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ ان آڑھتی حضرات نے مارکیٹ میں اپنے ٹاؤٹ چھوڑ رکھے ھوتے ھیں جو متوقع گاھکوں کے سامنے ان کی جھوٹی تعریفوں کے پل باندھتے ھیں ۔ جس سے سادہ لوح دیہاتی یا شہری لوگوں کو آسانی سے پھنسا کر اپنے آڑھتی کے پاس لے جاتے ھیں ۔ یا خود جھوٹا خریدار بن کر کسی دوسرے خریدار کو متعلقہ مال خرید کرانے کی رغبت دلاتے ھیں عربی زبان میں اس مکروہ کاروبار کو نجش کہتے ھیں جس کے بارے میں رسول اللہ صلعم نے فرمایا :

وعن ابن عمرؓ قال نہی النبی صلی اللہ علیہ و سلم عن النجش

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

متفق علیہ ۔ (ایضاً صفحہ ۱۷۶)

(ترجمہ) حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلعم نے نجش سے منع کیا ۔ اس پر امام بخاری اور امام مسلم دونوں متفق ھیں ۔ نجش کی تعریف اوپر گزر چکی ہے ۔

چونکہ یہ کارنامہ زیادہ تر آڑھتی حضرات ھی سر انجام دیتے ھیں ۔ اس لئے ایک دوسری حدیث میں اسے آڑھت کے کاروبار سے متصل کرکے اس کے ناجائز ھونے کا ارشاد فرمایا :

عن ابی ہریرۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نہی ان یبیع حاضر لباد و ان تناجشوا ۔ (ایضاً صفحہ ۱۷۵)

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلعم نے کسی شہری کو کسی دیہات کی طرف سے مال فروخت کرنے سے منع فرما دیا ۔ اور یہ کہ وہ نجش کا معاملہ نہ کریں ۔

نجش جیسا کہ ھم اس کی تعریف بیان کر چکے ھیں سے مراد یہ ہے کہ کسی خریدار کو یہ دھوکا دینا کہ اس نے اس سے مہنگی چیز خریدی ہے یا مالک سے مل کر مصنوعی یا فرضی طور پر سودا خریدے ۔ تاکہ اصل خریدار زیادہ قیمت ادا کرے ۔

بولی کے ذریعے کاروبار کی حرمت

اسی طرح دھوکے کا ایک کاروبار بولی کا طریقہ ہے کہ جس میں ناواقف گاھک کو بولی کے چکر میں کوئی سودا مہنگا فروخت کیا جاتا ہے ۔ آڑھت اور یہ دھوکے کے تمام کاروبار چونکہ ایک ھی صنف سے تعلق رکھتے ھیں اسلئے ایک حدیث شریف میں ان سب کو اکٹھا بیان کیا گیا ہے :۔

عن ابی ہریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم قال لا تلقوا الرکبان بیعاً ۔ ولا یبیع بعضکم علی بیع بعض ولا تناجشوا ولا یبیع حاضر لباد ۔ (مشکوۃ المصابیح کتاب البیوع صفحہ ۲۴۲)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ خرید و فروخت کے لئے راستے میں سوار دیہاتیوں کو نہ ملو۔ اور نہ ہی تم میں سے کوئی دوسرے کے سودے پر زیادہ نرخ کرے (یا بولی دے) اور نہ ہی دھوکے کا کاروبار کرو اور نہ ہی آڑھت کا۔

سودے کا عیب چھپانا

شریعت حقہ کا حکم یہ ہے کہ اگر کسی سودے میں کوئی عیب ہو تو خریدار پر اس عیب کو واضح کر دیا جائے۔ اس کے برعکس آج کل عیب چھپانے کی ہر ممکن کوشش کی جاتی ہے۔ آڑھتی حضرات نے تو اس قسم کے کاروبار کی خصوصی تربیت حاصل کی ہوتی ہے۔ اور جو اس کام کے لئے مشہور ہو دیہاتی لوگ اس کے پاس زیادہ اکٹھے ہوتے ہیں۔ حالانکہ رسول مقبول صلعم نے اس قسم کے کاروبار سے سختی سے منع کیا۔ لیکن یہ کاروبار کی ایسی صورت ہے کہ کج ذہن افراد اپنے مفاد کے لئے کوئی نہ کوئی حیلہ تراش لیتے ہیں اس لئے آپ نے پیش بندی کے طور پر ایک ایسا سنہری اصول قائم کر دیا کہ جس کے مقابلے میں کاروباری ا... کی چالاکیاں دم توڑ جاتی ہیں آپ نے فرمایا :-

عن حکیم بن حزام ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال البیعان بالخیار مالم یفترقا۔ ((نیل الاوطار جلد ۵ صفحہ ۱۹۵)

(ترجمہ) حضرت حکیم بن حزام سے روایت ہے کہ رسول مقبول صلعم نے فرمایا کہ خرید و فروخت کرنے والوں کو سودے کی جگہ سے جدا ہونے سے پہلے سودا منسوخ کرنے کی اجازت ہے۔

آڑھت کے ذریعے کاروبار کا ایک اور ناجائز طریقہ مروج ہے کہ ایک کاروباری رقم نہ ہونے کے باوجود محض آڑھتی کی ساکھ پر ساری مارکیٹ کا مال خریدلیتا ہے اور ضرورتمندوں کو محروم کر دیتا ہے۔ وہ تھوڑی سی موجود رقم بطور پیشگی ادا کر دیتا ہے اور باقی کے متعلق یہ رواج

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے کہ اگر ساری رقم مقررہ وقت تک ادا کر دی تو وہ سارے مال کا حقدار ہوگا و گرنہ اس کی پیشگی ضبط سمجھی جائیگی ۔ آج کل اس کا عام رواج ہے حالانکہ حضور صلعم نے اس سے سختی سے منع فرما دیا تھا ۔

سودے کی کچھ رقم پیشگی ادا کرنا

عن عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده قال نهی النبی صلی الله علیه و سلم عن بیع العربان ۔

(ترجمہ) حضرت عمرو بن شعیب نے اپنے باپ کے دادا سے روایت کی (ایضاً صفحہ ۱٦۲) کہ رسول اللہ صلعم نے عربان کے کاروبار سے منع فرمایا (عربان کی تشریح اوپر گزر چکی ہے)

پھر اس طرح خریدے جانے والے مال کو بینک سے قرض لیکر اور مال ان کے قبضے میں دیکر ذخیرہ کیا جاتا ہے کہ جب اس کے ریٹ بڑھیں گے تو اس مال کو مہینگے نرخوں فروخت کیا جائیگا ۔ رسول اللہ صلعم نے ایسے شخص کو واجب القتل قرار دیا ۔ ارشاد ہے :۔

عن ابن عمرؓ قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من احتکر طعاما اربعین یوماً یرید به الغلاء فقد بری من الله و تبری الله منه (ایضاً صفحہ ۲۳۴) ۔

(ترجمہ) حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے ۔ کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ جس نے چالیس دن تک کوئی کھانے کی چیز اس لئے ذخیرہ کی کہ مہنگی بیچی جائے تو وہ اللہ سے بری ہو گیا اور اللہ تعالی اس سے بری ہوگئے (یعنی اس کا اسلام سے کوئی واسطہ نہ رہا) ۔

آڑھت کے کاروبار کی مندرجہ بالا تمام صورتیں سود کی تعریف میں آتی ہیں یا ان میں اس کا شبہ پایا جاتا ہے اس لئے رسول اللہ صلعم نے ان تمام تفصیلات کا جائزہ لیکر انہیں بڑے واضح الفاظ میں حرام قرار دے دیا ۔ آج آڑھت کے کاروبار کی یہ سب صورتیں ہمارے ہاں مروج ہیں بلکہ ان میں پہلے سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بھی زیادہ غلط باتیں شامل ہو گئی ہیں ۔ لیکن افسوس کا مقام ہے کہ بہت سے آڑھتی جو اپنے آپ کو نظام مصطفی کا علمبردار قرار دیتے ہیں اپنے اس کاروبار کے بارے میں شریعت اسلامی کے احکامات معلوم کرنے کی کبھی کوشش نہیں کرتے اور وہ اس سودی کاروبار کو جائز سمجھتے ہیں اور اپنے دل کو یہ جھوٹی تسلی دیتے ہیں کہ سود سے مراد صرف بنک کا سود ہے ۔ نظام مصطفی کے بارے میں ہمارا طرز عمل کیسا عجیب ہے کہ جس چیز میں ہمیں اپنا کوئی فائدہ نظر آئے اس کے تو علمبردار بن جاتے ہیں لیکن جس سے ہمارے مفادات پر زد پڑتی ہو تو اس پر عمل کرنا تو کجا اس کا سننا بھی گوارا نہیں کرتے ۔

★ ★ ★ ★ ★ ★

© rasailojaraid.com

Fikr-o-Nasar (Islamabad) 19:5 (1981) © rasailojaraid.com

الصـــــابـــــؤن

سعید احمد اکبر آبادی

(یہ مضمون علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے اردو مجلہ
فکر و نظر سے ماخوذ ہے)

قرآن مجید میں جو چند مقامات مشکل سمجھے گئے ہیں ان میں وہ آیت بھی شامل ہے جس میں صابؤن کا ذکر اہل کتاب اور مومنین کے ساتھ کیا گیا اور ان سب کو ایک ہی حکم کے ماتحت رکھا گیا ہے۔

,,ان الذین آمنوا والذین ھادوا والنصری والصابئین من آمن باللہ والیوم الآخر و عمل صالحاً فلھم اجرھم عند ربھم ولا خوف علیھم ولاھم یحزنون ،، (البقرہ آیت ٦٢)

جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے یہودی مذہب اختیار کیا اور نصاری اور صابئین (بہر حال) جو بھی اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لائے اور نیک عمل کرے گا تو اس کے رب کے پاس اس کا اجر ہے اور ان لوگوں کے لئے نہ خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

بعینہ اسی مضمون کی ایک دوسری آیت نمبر ٦٩ سورۃ المائدہ کی ہے جس کے الفاظ بھی یہی ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ ,,وعمل صالحاً ،، کے بعد ,,فلھم اجرھم عند ربھم،، کے الفاظ نہیں ہیں اور ,,ولا خوف،، کے بجائے ,,فلاخوف،، ہے۔

اشکال کی اصل بنیاد:

اشکال کی بنیاد دو چیزیں ہیں۔ ایک آیت کا نفس مطلب دوسری یہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہ صابؤن سے کون سا طبقہ مراد ہے ؟ جہاں تک نفس مطلب کا تعلق ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ آیت میں پہلے چار طبقات مومن ، یہودی ، نصرانی ، اور صابی کا ذکر علی الترتیب ,,ان،، کے اسم کی حیثیت سے کیا گیا ہے اور پھر بہ طور خبر یہ ارشاد فرمایا گیا کہ ان چاروں طبقات کے لوگوں میں سے جو شخص بھی اللہ اور یوم آخر پر ایمان لے آئے گا اور عمل صالح کرے گا اس کے لئے اللہ کے پاس اس کا اجر ہوگا ۔ اس کے لئے کوئی خوف نہیں ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوگا ۔ اب سوال دو پیدا ہوتے ہیں ۔

(۱) جب ,,ان الذین آمنوا،، سے خود یہ معلوم ہو گیا کہ یہ لوگ ایمان لائے ہوئے ہیں تو پھر خبر کے مرتبہ میں ان کو بھی ,,من آمن باللہ،، (جو بھی ایمان لے آئیگا) میں شامل کرنے کا کیا مقصد ہے ؟

(۲) اس آیت میں مدار نجات صرف دو چیزوں کو بیان کیا گیا ہے ۔ ایک ایمان اور دوسرے عمل صالح اور ایمان میں صرف ایمان باللہ اور بالیوم الآخر کا ذکر ہے ۔ اس بنا پر مطلب یہ ہوا کہ ایک یہودی یا عیسائی یا صابی اپنے مذہب پر قائم رہتے ہوئے (اور اسی مذہب کے ساتھ نسبت سے پکارے جانے کے باوجود) اگر اللہ اور یوم آخر پر ایمان لے آتا ہے اور عمل صالح کرتا ہے تو آخرت میں اس کی نجات ہو جائیگی ۔

اس اشکال کے نمبر ایک کا جواب یہ ہے کہ ,,الذین آمنوا،، سے وہ لوگ مراد ہیں جو رسمی طور پر مسلمانوں کے زمرہ میں داخل ہیں یعنی کسی مسلمان گھرانے میں پیدا ہوئے اور مسلمان نام کی وجہ سے یا زبان سے کلمۂ تشہد پڑھنے اور اپنے متعلق مسلمان ہونے کا دعوی کرنے کے باعث مومن سمجھے جاتے ہیں ۔ رہا ,,من آمن،، تو یہاں ایمان سے مراد سچ مچ مومن ہونا اور دل سے تصدیق کرنا ہے ۔ اس بنا پر مطلب یہ ہوا کہ جو لوگ رسمی طور پر مومن ہیں یا جو اپنے مومن ہونے کا دعوی کرتے ہیں ان میں (۱) سے جو لوگ واقعی اور حقیقی مومن ہوں گے تو . . . . . قرآن میں اسی مضمون کو اور متعدد مواقع پر بھی بیان کیا گیا ہے ۔ ایک جگہ فرمایا گیا ,,یآ ایھا الذین آمنوا آمِنوْ،، اے وہ لوگو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جو ایمان لے آئے ہو سچ مچ ایمان لاؤ۔ سورۃ الحدید میں ہے ,,یآ ایھا الذین آمنوا اتقوا اللہ وآمنوا برسولہ،، اے ایمان لانے والو اللہ سے ڈرو اور اس کے رسول پر سچ مچ ایمان لاؤ۔ علاوہ بریں اعراب جو اپنے مومن ہونے کا دعوی کرتے تھے ان کی نسبت فرمایا گیا ,,وقالت الاعرب آمنا قل لم تومنوا ولکن قولوا اسلمنا ولما یدخل الایمان فی قلوبکم،، (اعراب کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے ہیں) (مگر) آپ کہدیجئے تم ایمان نہیں لائے مگر ہاں کہو کہ ہم نے اطاعت قبول کر لی ہے اور ایمان اب تک تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا ہے) ان سب آیات کو پیش نظر رکھا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ درحقیقت مدار نجات وہ ایمان ہے جس میں تصدیق قلب پائی جائے۔ جب دل سے کسی چیز کی تصدیق ہوتی ہے تو زبان سے بھی وہی نکلتی اور عمل بھی اسی کے مطابق ہوتا ہے۔ اس بنا پر ہمارے متکلمین نے ایمان کی تعریف اور عمل کے ساتھ اس کے تعلق پر جو نکتہ آفرینیاں کی ہیں وہ کوہ کندن و کاہ بر آوردن سے زیادہ وقیع نہیں۔ قرآن نے ,,ولما یدخل الایمان فی قلوبکم،، کہکر ایمان کی اصل حقیقت کو نہایت صاف اور واضح طور پر بیان کر دیا ہے اور یہ بھی بتا دیا ہے کہ ایمان کی قسمیں دو ہیں ایک حقیقی ایمان جس میں دل سے تصدیق پائی جائے اور دوسرا وہ ایمان جو محض رسمی اور ظاہری ہو۔ چونکہ ، ایمان حقیقی ہے یا نہیں ، اس کا پتہ سوائے ذات باری تعالی کے کسی اور کو نہیں ہو سکتا اس بنا پر آخرت میں نجات کا دارومدار بھی ایمان ہے۔ مگر دنیوی معاملات میں وہ شخص بھی مومن سمجھا جائے گا جو محض رسمی ایمان رکھتا ہے ، تاوقتیکہ اس کی زبان یا اس کے عمل سے کسی ایسی چیز کا صدور ہو جو صریحاً کفر ہے اور ایمان کی نقیض ہے۔ بعض مفسر ایسے مواقع پر لکھتے ہیں کہ آیت میں دوسرے آمنوا ، کے معنی ,,اثبتوا،، (۲) ہیں۔ مطلب یہ ہوا کلہ اے ایمان والو . ایمان پر ثابت قدم رہو۔ لیکن ہماری رائے میں اگر ایمان حقیقی ہے اور تصدیق قلب سے ہے تو وہ کبھی منحرف ہو ہی نہیں سکتا اس لئے اس سے ثابت قدمی کا طلب کرنا بے معنی سی بات ہے۔ بہر حال آیت زیر بحث میں ,,الذین آمنوا،، سے وہ رسمی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایمان مراد ہے جس کے باعث وہ مسلمانوں کے زمرہ میں شامل سمجھا جاتا اور مسلمان کہلاتا ہے اور ,,من آمن،، میں جو ایمان ہے اس سے مراد حقیقی ایمان ہے جو مدار نجات اخروی ہے۔ اس لئے اب یہ اشکال بالکل باقی نہیں رہتا۔

رہا دوسرا سوال تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر اس آیت کو قرآن مجید کی دوسری آیات جو ایمان باللہ سے متعلق ہیں ان کے ساتھ ملا کر پڑھا جائے تو سرے سے کوئی اشکال واقع نہیں ہوتا۔ قرآن میں بار بار اس حقیقت کو نہایت وضاحت سے اور مختلف اسالیب بیان میں بتا دیا گیا ہے کہ دین حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر محمد رسول اللہ ﷺ تک ایک ہی ہے۔ فرق صرف شرائع اور مناہج کا ہے اور شریعت لاحقہ بہ نسبت شریعت سابقہ و متقدمہ کے زیادہ مکمل ہوتی ہے۔ اس بنا پر ایک شریعت کے بعد جب کوئی دوسری شریعت آجائے تو اب معمول بہ دوسری شریعت ہوگی نہ کہ پہلی۔ اسی نظام اور ترتیب کے مطابق شریعت موسوی یہود کے لئے اسی وقت تک واجب العمل تھی جب تک شریعت عیسوی نہیں اتری تھی۔ جب وہ آگئی تو اب اس پر عمل کرنا اور حضرت عیسی پر ایمان لانا ضروری ہو گیا، اسی طرح شریعت عیسوی کے بعد جب شریعت محمدی آگئی تو اب آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم پر ایمان لانا اور آپ کی شریعت پر عمل کرنا ضروری ہوگیا۔ چونکہ دعوت محمدی جو عالمگیر و ہمہ گیر ہے اس کی بنیاد دین اور شریعت کا یہ نظام ہی ہے اس بنا پر قرآن نے اس کو بڑی خوبی اور بلاغت سے جگہ جگہ بیان کیا ہے اور ان لوگوں کی سخت مذمت کی ہے جو دین میں اور انبیاء میں تفریق کرتے ہیں، یعنی ایک کو مانتے ہیں اورایک کو نہیں مانتے۔ کسی کا اقرار کرتے ہیں اور کسی کا انکار۔

محمد رسول اللہ ﷺ آخری پیغمبر اور قرآن آخری کتاب الہی ہے۔ اب خواہ کوئی یہودی ہو یا نصرانی، صابی ہو یا مجوسی بہر حال نجات اخروی کے لئے ان دونوں پر ایمان لانا ضروری ہے۔ سورۃ البقرۃ میں ہے۔

واذا قیل لھم آمنوا بما انزل اللہ قالوا نؤمن بما انزل علینا و یکفرون بما وراءہ، وھو الحق مصدقا لما معھم۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور جب ان لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ اللہ نے (اب) جو کتاب نازل کی ہے اس پر ایمان لاؤتو کہتے ہیں ہم پر جو کتاب نازل ہو چکی ہم تو اس پر ایمان لائے ہیں اور ان کی کتاب کے بعد جو کتاب نازل ہوئی ہے اس کو وہ نہیں مانینگے حالانکہ یہ کتاب سر بسر حق ہے اور جو کتاب ان کے پاس ہے اس کی تصدیق بھی کرنے والی ہے۔

پس یہ آیت اور اس سلسلے کی دوسری آیات ، بلکہ سچ یہ ہے کہ پورے قرآن سے ہی یہ بات بالکل صاف اور ظاہر ہے کہ قرآن جہاں کہیں ایمان کی یا ایمان باللہ کی یا ایمان باللہ والیوم الآخر کی دعوت دیتا ہے اس کی مراد ایمان کا وہ جامع تصور ہوتا ہے جس میں محمد رسول اللہ اور قرآن پر ایمان لانا شرط اول کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس حقیقت کو ذہن نشین کرنے کے بعد اب زیر بحث آیت پڑھئے تو مطلب بالکل واضح ہو جاتا ہے اور کسی قسم کا کوئی گنجلک باقی نہیں رہتا ۔ یعنی یہ کہ رسمی مسلمان ہو یا یہودی یا عیسائی یا صابی اس میں سے جو بھی سچ مچ (قرآن کی تعلیمات کے مطابق) اللہ اور یوم آخر پر ایمان لے آئیگا اور عمل صالح کریگا اس کے لئے اللہ کے پاس اس کا اجر ہوگا (۲) ۔

صابؤن کون ہیں ؟

اب دوسرا سوال یہ ہے کہ صابؤن سے کون لوگ مراد ہیں ؟ افسوس ہے اس کے بارے میں بھی مفسرین کے اقوال اتنے ہیں کہ کسی ایک نتیجہ تک پہونچنا آسان نہیں ہے۔

مفسرین کی آراء

ابن جریر طبری لکھتے ہیں :۔

,,صابؤن جمع صابی کی ہے اور صابی اس شخص کو کہتے ہیں جو اپنا دین ترک کرکے کوئی اور دوسرا دین اختیار کر لے ۔ مثلاً وہ شخص جو اسلام سے مرتد ہو جائے ، عرب ہر ایسے شخص کو صابی کہتے تھے ۔ اب اختلاف اس بات

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں ہے کہ آیت میں جن لوگوں کو صابؤن کہا گیا ہے وہ کون ہیں ؟ بعض کہتے ہیں اس کا مصداق وہ تمام لوگ ہیں جو ایک دین کو ترک کرکے کوئی اور دین اختیار کر لیں ۔ اس کے برخلاف بعض لوگوں کی رائے یہ ہے کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جن کا کوئی دین نہیں ۔ مشہور مفسر مجاھد سے مروی ہے کہ صابؤن نہ یہود ہیں اور نہ نصاری اور ان کا کوئی دین نہیں ہے ۔ مجاھد سے ایک دوسری روایت حجاج بن ارطاۃ کی یہ ہے کہ صابؤن مجوس اور یہود کے درمیان ایک طبقہ کا نام ہے ، نہ ان کا ذبیحہ حلال ہے اور نہ ان کی عورتوں سے نکاح جائز ہے ۔ حسن بصری اور ابن ابی نجیح سے بھی یہی مروی ہے ۔ لیکن ابن زید کی رائے یہ ہے کہ جزیرہ موصل میں کچھ لوگ آباد تھے جو کسی دین کو مانتے تھے اور لا الہ الا اللہ کہتے تھے مگر ان کے پاس نہ کوئی عمل ہے اور نہ یہ کسی پیغمبر یا کتاب کو مانتے ہیں ۔ چند مفسرین کی رائے ہے کہ یہ لوگ فرشتوں کی پوجا کرتے اور قبلہ کی طرف نماز پڑھتے تھے ۔ زیاد بن ابیہ جو حضرت امیر معاویہ کے زمانے میں عراق کا گورنر تھا اس نے یہ دیکھکر کہ یہ لوگ قبلہ کی طرف نماز پڑھتے ہیں ان سے جزیہ ساقط کر دینے کا ارادہ کر لیا تھا ، مگر پھر اسے بتایا گیا کہ فرشتوں کی عبادت کرتے ہیں ۔ قتادہ جو مشہور مفسر ہیں ان سے بھی یہی قول مروی ہے مگر اس میں اتنی بات زیادہ ہے کہ ,,یہ لوگ زبور کی بھی تلاوت کرتے تھے،، ۔ ابو العالیہ کی رائے ہے کہ یہ لوگ اھل کتاب تھے اور زبور کی تلاوت کرتے تھے ۔ ابو جعفر الرازی سے بھی یہی منقول ہے ۔ سدی سے کسی نے پوچھا تو جواب دیا ,,یہ لوگ اھل کتاب میں سے ہیں،، (۴) ۔

بعض مفسرین کی رائے یہ ہے کہ صابئہ دو قسم کے تھے ۔ ایک وہ جو صابئہ حنفاء کہلاتے تھے اور دوسرے مشرکین تھے ۔ یہ دوسرا طبقہ ستارہ پرست تھا اور یہود و نصاری کی طرح ان کے بھی عبادتخانے ہوتے تھے ۔ مفسرین یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ لفظ صبأ یصبأ صباً سے مشتق ہے جس کے معنی مائل و راغب ہونے کے ہیں ۔ اسی مناسبت سے طلوع کرنے کے معنی میں اس کا استعمال

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوتا ہے۔ کہتے ہیں ,,صبأت النجوم،، یا ,,صبأ علینا فلان،، بمعنی طلعت و طلع ، اور طلوع کے معنی میں چونکہ خروج کا مفہوم پایا جاتا ہے اس لئے جو شخص اپنا دین چھوڑ کر کوئی دوسرا دین اختیار کر لیتا تھا ، اسے صابی کہتے تھے۔ قریش آنحضرت ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کو ,,الصباۃ،، کہتے تھے اور اس کی وجہ بھی یہی تھی کہ ان لوگوں کے خیال میں آپ نے اور صحابہ نے اپنا دین ترک کر دیا تھا ۔ بنو جذیمہ جب مسلمان ہو گئے تو کہتے تھے ,,صبأنا صبأنا،، (۵) بعض حضرات کا خیال ہے کہ صابی حضرت نوح علیہ السلام کے دین کے پیرو تھے ۔(۶) بعض حضرات نے اس پر اتنا اور اضافہ کیا ہے کہ ان لوگوں کو حضرت نوح کے چچا صابی کے ساتھ نسبت تھی اس لئے یہ بھی صابی کہلانے لگے اور نیز یہ کہ ,,صابی،، عجمی زبان کا اسم علم ہے ۔(۷) ۔

مورخین اور دیگر حضرات :

اب مفسرین کے علاوہ مورخین اور دوسرے علماء اور مصنفین کے بیانات کو دیکھا جائے تو اگرچہ انہوں نے بعض نئی باتیں کہی ہیں مگر اختلاف اور تردد و تذبذب یہاں بھی ہے اور اس بنا پر کسی قطعی نتیجہ تک پہونچنا ناممکن ہے ۔ مسعودی کا بیان ہے کہ شاہ فارس طہمورث کے اوائل عہد حکومت میں جب لوگ عام طور پر بت پرستی اور کواکب پرستی میں مبتلا تھے ، بوداسف نامی ایک شخص ارض ہند میں ظاہر ہوا اور یہ ہندی ہی تھا ۔ اس نے پیغمبری کا دعوی کیا اور کہا کہ میں خدا کا فرستادہ اور اس کے بندوں اور اس کے درمیان ایک واسطہ ہوں۔ یہ بود اسف پہلا شخص ہے جس نے صابئہ طور طریق کی بنیاد ڈالی (۸) ۔

آگے چل کر لکھتا ہے ,,حرانی صابئہ کے مختلف ہیکل (عبادتخانے) تھے جو عقل اول اور مختلف اجرام علویہ و طبعیہ کے نام پر ہوتے تھے (۹) ۔ مشہور طبیب ابو بکر محمد بن زکریا رازی نے حرانی صابئون کے حالات میں ایک کتاب لکھی تھی ۔ مسعودی کا بیان ہے کہ اس نے یہ کتاب پڑھی تھی اور اس میں ان لوگوں کی نسبت ایسی ایسی باتیں درج ہیں جنہیں بیان کرنا بھی بہت سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لوگوں کو برا معلوم ہوگا ۔ حرانی صابئہ کے مقابلے میں انہیں کا ایک دوسرا گروہ ہے مسعودی نے اس کا نام کیماریون بتایا ہے (۱۰) ۔

مسعودی نے جو بات کہی ہے بعض مورخین نے اسی کو الٹ پلٹ کر یا کسی قدر کمی بیشی کے ساتھ کہا ہے۔ چنانچہ ابو ریحان البیرونی (ولادت ۳۶۲ھ) نے ,,الآثار الباقیہ،، میں ,,مدعیان نبوت،، کے عنوان سے ایک باب باندھا ہے۔ اس کے تحت لکھتا ہے کہ ان مدعیان نبوت میں پہلا شخص یوداسف ہے۔ یہ شاہ طھمورث کی حکومت میں پہلے سال ھند میں ظاھر ھوا اور لوگوں کو ملت صابئہ کی دعوت دی ۔ اس دعوت کو بہت سے لوگوں نے قبول کیا۔ اب انہیں لوگوں کے بچے کھچے جو حران میں پائے جاتے ھیں اس مقام کی نسبت سے حرانی کہلاتے ھیں (۱۱) ۔ ان لوگوں کا مسلک کیا تھا ؟ اس سلسلہ میں بیرونی نے پہلے دوسرے لوگوں کے بیانات نقل کئے ھیں ، جن میں اس فرقہ کی طرف بعض نہایت فحش اور گندی باتیں منسوب کی گئی ھیں اور پھر خود اپنی معلومات کی روشنی میں کہتا ہے۔

> ,,مگر ہم تو ان کی بابت یہی جانتے ھیں کہ یہ لوگ اللہ کی توحید کے قائل ھیں ۔ اس کو قبائح سے منزہ مانتے ھیں اور ان کے ھاں جتنے صفات باری ھیں وہ سلبی ھیں ایجابی نہیں ۔ مثلاً وہ کہتے ھیں کہ اللہ کی تعریف نہیں ھو سکتی ۔ وہ نظر نہیں آسکتا ۔ وہ ظلم نہیں کرتا اور نہ اس پر کوئی ظلم کر سکتا ہے۔ یہ لوگ باری تعالی کے لئے اسماء حسنیٰ ثابت کرتے ھیں مگر مجازاً ، کیونکہ ان کے نزدیک باری تعالی کے لئے درحقیقت کوئی صفت نہیں ہے۔ عالم میں جو کچھ تغیرات وتبدلات ھوتے رھتے ھیں یہ لوگ ان کو آسمان اور اجرام علویہ کی طرف منسوب کرتے ھیں ،، ۔

جامع دمشق میں مقصورہ کے قریب محراب کے اوپر جو گنبد بنا ھوا ہے یہ انہیں کے آثار میں سے ہے۔ جس زمانے میں یونانی اور رومی مذھب صابئہ کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پیرو تھے اس زمانے میں یہ ان کی عبادتگاہ تھی ۔ جب یہود کا زور ہوا تو انہوں نے اس کو اپنا عبادتخانہ بنا لیا ۔ پھر نصاری کا عہد آیا تو یہ عمارت گرجا میں اور آخر میں اسلام آیا تو یہ مسجد کی شکل میں منتقل ہو گئی (۱۲) ۔

شہر ستانی (المتوفی ۵۴۸ھ) نے بوداسف کا نام تو نہیں لیا ، لیکن یہ ضرور لکھا ہے کہ صابئہ فرقہ طھمورث کی حکومت کے پہلے سال میں ظاہر ہوا (۱۳) ۔ مگر اس فرقہ کے عقائد و اعمال کیا ہیں ؟ اس کے متعلق شہرستانی نے بھی کوئی قطعی بات نہیں کہی ۔ مختلف اقوال نقل کر دیئے ہیں ۔ مثلاً یہ کہ صابئہ دو قسم کے ہوتے ہیں ۔ ان میں ایک قسم ان لوگوں کی ہے جو کسی کتاب کو نہیں مانتے ۔ لیکن حدود و احکام (یعنی حلال و حرام) کے قائل ہیں (۱۴) ۔ ایک مقام پر لکھتے ہیں ,,حنیفیت صبوہ کے مقابل ہے،، (۱۵) آگے چل کر اس قول کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں ,,صابئہ کو عالم ارواح و مجردات میں زیادہ یقین ہوتا ہے ۔ اور اس کے برخلاف حنفاء کا اعتقاد جسمانی بشر (یعنی انبیاء و رسل) میں ہوتا ہے ۔ (۱۶) حنفاء اور صابؤن میں یہ بنیادی سبب اختلاف بتانے کے بعد شہر ستانی نے تقریباً تیس صفحوں میں ان دونوں فرقوں کے مناظرے نقل کئے ہیں جو بڑے دلچسپ بھی ہیں اور معلومات افزا بھی ۔ ان سب سے قطع نظر ایک مقام پر یہ بھی لکھ دیا ہے کہ ,, اہل ہند میں کچھ لوگ ملت ابراہیمی کے قائل ہیں اور ان میں اکثر مذہب صابئہ رکھتے ہیں ،، (۱۷) ۔

اصل یہ ہے کہ قدیم اسلامی مورخین میں یہ مشہور ہے کہ ہندوستان کے برھمن چونکہ اپنے آپ کو حضرت ابراہیمؑ کی طرف منسوب کرتے (۱۸) ہیں اس لئے وہ برھمن کہلاتے ہیں اور یہ کچھ مسلمان مورخین کے ساتھ مخصوص نہیں ہندوؤں میں بھی اس خیال کے لوگوں کی کمی نہیں ہے ۔ چنانچہ دھلی یونیورسٹی کے سابق صدر شعبہ ہندی و سنسکرت مہا مہوپادھیا پنڈت لکشمی دھر نے عرصہ ہوا اورینٹل کانفرنس کے کسی ایک سیشن میں ایک مقالہ پڑھا تھا جس میں انہوں نے یہ ثابت کرنا چاہا تھا کہ حضرت ابراہیم جنوبی ہند کے کسی مقام پر پیدا ہوئے تھے اور ڈراوڑ نسل سے تعلق رکھتے تھے ۔ بہرحال شہرستانی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نے جو آخری قول نقل کیا ہے اوس میں ہمارے نزدیک ملت ابراھیمی کے قائل جن لوگوں کو کہا گیا ہے ان سے مراد برھمن ھیں جس کی جمع عربی میں براھمہ آتی ہے اور جن لوگوں کو مذھب صابئہ کا پیرو بتایا گیا ہے وہ بدھست (بوداسف یعنی گوتم بدھ کے پیرو) ھیں۔

بوداسف کون ہے ؟

جیسا کہ اوپر مذکور ہوا ہے عرب مورخین کی عام رائے یہ ہے کہ فرقہ صابئہ کی داغ بیل بوداسف نے ڈالی تھی اور وہ ھندی تھا ۔ لیکن یہ بوداسف ہے کون ؟ اگر چہ البیرونی نے ایک ضعیف قول یہ نقل کیا ہے کہ بوداسف سے مراد ھرمس ہے مگر خود ھرمس کی شخصیت مختلف فیہ ہے۔ بعضوں کے نزدیک ھرمس حضرت ادریس علیہ السلام کا نام ہے جن کو توراۃ میں اخنوخ کہا گیا ہے اور بعض حضرات کا خیال ہے کہ ھرمس یونان کا ایک بڑا فلسفی تھا ۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ عرب جب بوداسف بولتے ھیں تو ان کی مراد گوتم بدھ ھی ہوتا ہے اگر چہ گوتم بدھ کے لئے کبھی بد یا بدھ کے الفاظ بھی استعمال کرتے ھیں ۔ جیسا کہ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کے فاضل مقالہ نگار نے لکھا ہے(۱۹) ۔ بوداسف براہ راست بدھا کی تعریب نہیں ہے۔ بلکہ بودھی مت کا معرب ہے۔ یہ پالی زبان کا لفظ ہے اور اس کے معنی ھیں ,,علم و معرفت کے اعلی مقام پر پہونچنے والی ھستی،، ۔ لوگ اعزاز و اکرام کے طور پر گوتم بدھ کو بودھی مت (BODHISATTVA) کہتے تھے ۔ اس بنا پر اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ جہاں تک عرب مورخین کا تعلق ہے ان کا عام رجحان یہی معلوم ہوتا ہے کہ قرآن میں جن کو صابؤن کہا گیا ہے وہ گوتم بدھ کے پیرو یعنی بدھ ھیں ۔

ہمارے زمانہ میں مولانا سید مناظر احسن گیلانی کی رائے بھی یہی تھی ۔ چنانچہ مولانا نے ,,معارف،، اعظم گڑھ کی دو اشاعتوں (فروری و مارچ ۵۲ء) میں ایک مقالہ اسی موضوع پر لکھا تھا اور اس میں اپنے مخصوص انداز تحریر میں یہی ثابت کرنے کی کوشش کی تھی کہ صابئہ اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بدھ ایک ھیں ۔ اس کے جواب میں مولانا مرحوم کے ھی رفیق کار مولانا سید فضل اللہ نے اگست ۵۳ء کے ,,معارف،، میں ایک مقالہ شائع کیا جس میں مولانا گیلانی کے نظریہ یا تحقیق کی تردید کرتے ہوئے بوداسف کے بدھا ہونے سے انکار کیا گیا تھا ۔

اصل یہ ہے جیسا کہ انسائکلوپیڈیا آف اسلام (۲۰) کے مقالہ نگار نے لکھا ہے ۔ عرب مورخین گوتم بدھ اور ان کی تعلیمات سے باخبر تو ھیں لیکن گوتم بدھ کا عہد کونسا تھا ؟ اس بارے میں ان کی معلومات بہت ناقص ھیں ۔ اور حق یہ ہے کہ عرب مورخین کا کیا قصور . جب خود بودھی مت کے علماء ہزار کوشش کے باوجود اس سلسلے میں کوئی قطعی اور متفقہ بات نہیں کہہ سکے ۔ اب آخری تحقیق یہ ہے کہ گوتم بدھ کی پیدائش حضرت عیسی سے پانچسو ساٹھ برس پہلے ہوئی تھی ۔ بہر حال عربوں کو نہ بدھا کے عہد کا صحیح علم تھا اور نہ وہ ان کی تعلیمات سے صحیح طور پر واقف تھے ۔ چنانچہ شہرستانی جس کی بودھی مت سے واقفیت ,,الھند،، کے مصنف بیرونی سے بھی زیادہ ہے، اس تک نے لکھا کہ سب سے پہلا بدھا جو دنیا میں ظاہر ہوا اس کے ظہور اور ھجرت نبوی میں پانچ ہزار برس کی مدت کا فاصلہ ہے(۲۱) ۔ شہرستانی نے اس بدھا کا نام شاکمین بتایا ہے جو گوتم کے ,,لقب سکیامونی،، (SAKYAMUNI) کی عربی شکل ہے(۲۲) ۔ اس کے بعد شہرستانی کا بیان ہے کہ ایک اور بدھا ظاہر ہوا جس کا نام بودیسعیہ تھا ۔ یہ بودیسعیہ اسی لفظ بوداسف کی تعریب ہے جس کو ہم اوپر لکھہ آئے ھیں اور یہ دراصل کسی اور بدھا کا نہیں بلکہ خود گوتم بدھ کا لقب تھا ۔ بہر حال اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ عرب مورخین کی معلومات اس معاملہ میں کس درجہ ناقص اور غلط ھیں ۔ اس بنا پر اگر ان مورخین نے ایران کے پیشدادی خاندان کے بادشاہ طہمورث خود جس کی زندگی ایک افسانہ ہے اس کی حکومت کے پہلے سال میں ,,بوداسف،، کا ظہور بتا دیا ہے ، تو محض اس سے یہ نتیجہ نکالنا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے کہ ,,بوداسف،، بدھا کے علاوہ کوئی اور دوسرا شخص ہے ۔

© rasailojaraid.com